از:۔ جناب ارشاد احمد حقانی

اسلامی معاشرے کا قیام = چند توجہ طلب پہلو

عصرِ حاضر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اجتہاد کیا جائے

۱۶ اکتوبر سے شروع ہونے والے مارشل لاء کے نئے دور کے جو مقاصد بیان کیے گئے ہیں ان میں سے پہلا اور سرِ فہرست مقصد پاکستان میں اسلام کے نفاذ کا عمل تیز تر کر دیا بیان کیا گیا ہے اور یہ بات قابلِ فہم ہے کیونکہ موجودہ حکومت ماضی کی تمام حکومتوں کے مقابلہ پر اسلام سے وابستگی کا دعویٰ زیادہ بلند آہنگی اور جوش کے ساتھ کرتی ہے۔ اور اپنی بصیرت کے مطابق اس نے عملی پیش قدمی کی بھی کوشش کی ہے۔ اب چونکہ وہ قومی زندگی میں اپنے تمام مقاصد زیادہ جوش و جذبہ اور مستعدی کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے اس لیے فطری طور پر وہ نفاذِ اسلام کی کوششوں کو بھی تیز تر کرنے کی خواہش مند ہوگی لیکن اہلِ نظر سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ پاکستان میں اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی خواہش ارادہ اور وعدہ ہمیشہ سے موجود رہے ہیں اگرچہ مختلف افراد اور حکومتوں نے اپنی اپنی سوچ اور ذہنی ساخت کے مطابق اس مقصد پر کبھی کم اور کبھی زیادہ زور دیا ہے۔ اسلام کے عملی تقاضوں اور اسلامی معاشرہ کے قیام کے طریق کار پر بھی اختلاف رہا ہے لیکن اصولی اور اجمالی اور رسمی طور پر شاید ہی کسی قابلِ ذکر حکمران نے اس مقصد سے عدم وابستگی کا اظہار کیا ہو۔ خواہش کے تسلسل اور وعدوں کی اس تکرار کے باوجود ہم عملاً اس منزل کی طرف جس حد تک پیش قدمی کر سکے ہیں۔ احبابِ فکر و نظر اس سے بے خبر نہیں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ناکافی اور غیر تسلی بخش پیش رفت کے اسباب کیا ہیں اور جس مقصد کو قیامِ پاکستان کا محرک سبب اور وجہ جواز بتایا جاتا ہے اس کے حصول میں کیوں کامیابی نہیں ہوئی۔ راقم کی رائے میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دورِ حاضر میں ایک اسلامی معاشرہ کے خدوخال اور اس کے طریق کار

کے بارے میں ہمارا قومی ذہن صاف نہیں۔ یہی وہ بنیادی سبب ہے جو ہماری ناکافی اور غیر تسلی بخش
پیش رفت کا ذمہ دار ہے اور جب تک ہم اسے دُور نہیں کرتے ہمہ جہتی، مربوط اور ہموار پیش قدمی
ہمارے لیے ممکن نہ ہو گی۔ المیہ یہ ہے کہ دورِ حاضر میں ایک اسلامی معاشرہ کے خدوخال اور اس کے
قیام کے طریق کار، ترتیب اور ترجیحات کے سوال پر سنجیدگی سے غور و فکر انتہائی کم ہوا ہے
اور سارا زور مبہم، غیر واضح، جذباتی، ناقابلِ عمل اور غیر حقیقت پسندانہ نعروں پر رہا ہے۔
حصولِ مقصد کے لیے ایسے راستے تجویز کیے جاتے رہے ہیں جن سے منزل تک رسائی ممکن نہ تھی

تحریکِ پاکستان کی رہنمائی کرنے والی قیادت نے نئی مملکت کو ایک اسلامی ریاست بنانے
کا عزم ظاہر کیا تھا۔ قائداعظم نے تحریک کے دنوں میں اس ذیل میں بعض وعدے اور اشارے کیے
تھے۔ وہ بات کے پکے اور قول کے سچے آدمی تھے۔ قدرت انہیں مہلت دیتی تو وہ اپنے تصورات
کے مطابق پاکستان میں ایک فلاحی اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لیے اقدامات کرتے لیکن حصول
آزادی کے بعد انہیں جو تیرہ ماہ ملے ان میں سنگین مسائل کا ایسا ہجوم رہا کہ انھیں سر کھجانے کی فرصت
نہ ملی اور اسی حال میں وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کے بعد کی مسلم لیگی قیادت اسلامی نظام کے
تقاضوں کے بارے میں یا تو خالی الذہن تھی۔ یا شکوک و شبہات میں مبتلا تھی اور یا پھر معاندانہ سوچ
کی حامل تھی۔ ایوان اقتدار سے باہر کے جو حلقے اس مقصد سے وابستگی رکھتے تھے انھوں نے بھی زیادہ تر
زور مطالبات اور رہمات پر دیا اور ایک جدید اسلامی معاشرہ کے نقوش واضح کرنے، معاصر دنیا کے
حوالے سے اس کے قیام کی تدابیر پر غور کرنے کے بجائے ساری توجہ سیاسی ذرائع سے
ایک خاص قسم کی فضا پیدا کرنے پر صرف کر دی۔ بہرکیف پاکستان کے پہلے باقاعدہ آئین میں کچھ ایسی
دفعات رکھ دی گئیں جنہیں اسلامی دفعات کہا گیا لیکن ان کی وجہ سے ملک میں ایک اسلامی معاشرہ کے قیام
کے مقصد کے حصول میں کوئی کامیابی نہ ہوئی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبے پرانی ڈگر پر چلتے رہے۔ ۱۹۶۲ء
کے آئین کی تدوین کے وقت بھی یہی عمل دہرایا گیا۔ اور اس معنی میں یہ مہم پھر کامیاب رہی کہ ۱۹۵۶ء کے
آئین کی اسلامی دفعات کسی قابلِ ذکر تغیر و تبدل کے بغیر اس میں بھی شامل کرائی گئیں۔ لیکن اس کامیابی
کا بھی ایسا کوئی نتیجہ مرتب ہوا کہ ملک کی حیاتِ اجتماعی پر کسی بھی پہلو سے اسلامی رنگ غالب آنا
شروع ہو جاتا۔ اس دوران ایک جدید اسلامی معاشرہ کے قیام کے تقاضوں کی علمی تشریح کا کام نہایت ہی محدود
پیمانہ پر اور ایک مخصوص زاویہ نگاہ سے ہوا جس نے فی الحقیقت اس مہتم بالشان علمی و فکری چیلنج کا حق ادا نہ
کیا۔ اس سرحد پر سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کے نعرے اور ان کے علمبردار سامنے آ گئے اور پاکستان

کہ اسلامی مملکت بنانے کے خواہشمند اور دعوے دار حلقوں کی ساری توجہ نئے مکتب فکر کا توڑ کرنے پر صرف ہونے لگی لیکن اسی کے ساتھ ہی یہ عجیب منظر دیکھنے میں آیا کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے موقع پر اسلامی نظام کا دم بھرنے والوں نے اقتصادی دائرہ میں کم و بیش وہ تمام نعرے اپنا لیے جو ان کے حریفوں کی طرف سے لگائے جارہے تھے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد پھر ایک نئے آئین کی ترتیب کا مرحلہ پیش آیا تو اس میں اسلامی دفعات شامل کرانے میں پھر کامیابی ہوگئی لیکن ۱۹۷۷ء کی تحریک تک ان دفعات کی وجہ سے بھی کوئی عملی تبدیلی نہ آئی اور زندگی کا سارا انداز بدستور قائم رہا بلکہ بعض حلقوں کی رائے کے مطابق معاشرہ کچھ مزید روبہ زوال ہوا۔ اسلامی نظام کے عملی تقاضوں اور قابلِ عمل تدابیر کا شعور اور ان سے حقیقی وابستگی عام نہ ہوسکی۔

۱۹۷۷ء کی تحریک میں نظامِ مصطفٰےؐ کے نفاذ کو سرِ فہرست اہمیت دی گئی اور تحریک کی قیادت کرنے والی تنظیم کے منشور میں حصولِ اقتدار کے ایک ماہ کے اندر اسلامی تعزیرات کے نفاذ اور متعدد دوسرے اقدامات کا وعدہ کیا گیا۔ جبکہ ایک سال کے اختتام سے پہلے پوری شریعت نافذ کرنے کا حتمی یقین دلایا گیا تحریک کے دوران پورے ملک میں زبردست جوش و خروش دیکھنے میں آیا اور لوگوں نے اسلام کے غلبہ کی امید میں اپنی جانیں قربان کیں۔ لیکن اس پورے عرصہ کے دوران کسی نے یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش نہ کی کہ نظامِ مصطفٰےؐ سے ٹھیک ٹھیک مراد کیا ہے اور آیا اس کا نفاذ واقعی اس تدریج سے ممکن ہوگا جس کا وعدہ کیا جارہا ہے۔ اس فضا میں جولائی ۱۹۷۷ء کی تبدیلی آئی۔ نئی حکومت نے سنجیدگی اور مستعدی سے نظامِ مصطفٰےؐ کے نفاذ کا عمل شروع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور تمام ہمدرد حلقوں سے تعاون اور رہنمائی کی درخواست کی جس کا مثبت جواب دیا گیا عرب ممالک کے بعض فضلاء اور ماہرین کو بھی اس کام میں شریک کیا گیا۔ لیکن ابھی تک مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ لیکن بنیادی وجہ یہی ہے کہ ایک حقیقی اسلامی معاشرہ کے خدوخال کیا ہیں اور دورِ حاضر میں اسے کس طرح وجود میں لایا جاسکتا ہے اس سوال پر ہمارا قومی ذہن بری طرح الجھا ہوا ہے حد یہ ہے کہ جو حلقے اسلامی نظام یا نظامِ مصطفٰےؐ کے بڑے پرجوش حامی سمجھے جاتے ہیں انھوں نے اسلام کی معاشی اور سیاسی و اخلاقی تعلیمات کا ایک خاص تصور قائم کر رکھا ہے اور وہ اس کے منافی کوئی بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں فقہی اختلافات کے بارے میں غلو اور فکری جمود کے رویہ نے ہماری مشکلات میں اضافہ کر دیا ہے علماء اور اسلام کے ترجمانوں کی ایک بڑی تعداد معاصر دنیا کے حوالہ سے اسلام کی معاشی و سیاسی تعلیمات کا ادراک کرنے سے قاصر ہے اور وہ فکری انتشار میں غیر معمولی اضافہ کر رہی ہے بعض حلقوں

کی سیاسی مصلحتیں اور نفسیاتی الجھنیں بالواسطہ اور براہ راست خلط مبحث کا باعث بن رہی ہیں۔ اس طرح بقول اقبال حقیقت خرافات میں کھوتی چلی جا رہی ہے۔

اجتہاد کی ضرورت کا تذکرہ اور اعتراف بلاشبہ اب نسبتاً وسیع تر حلقہ میں کیا جا رہا ہے لیکن عملاً اس کے لیے حالات سازگار نہیں۔ کوئی طبقہ اجتہاد کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ نہیں ملک میں ایسی فضا موجود نہیں جس میں جرأتمندانہ اجتہادی فیصلوں کی گنجائش ہو۔ ہمارے اکثر و بیشتر حامی اسلام حلقے خود متشددانہ فقہی آراء کے اسیر ہیں اور ان سے سر مو انحراف ان کے لیے قابل تصور نہیں مروجہ آراء سے جزوی سے جزوی اختلاف کرنے کی جو شخص جرأت کرتا ہے، ایک بڑا طبقہ پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ اسلامی احکام پر آزادانہ غور و فکر اور اظہار خیال قریب قریب ناممکن ہو چکا ہے۔ مخصوص مفادات رکھنے والے طبقات نے اسلام کی معاشی اور سیاسی تعلیمات کا ایک خود غرضانہ تصور قائم کر رکھا ہے اور بعض دینی و سیاسی حلقے دانستہ اور نادانستہ انہیں تقویت پہنچا رہے ہیں،، ۷۷ء کی تحریک متعدد عوامل کا نتیجہ تھی۔ لیکن میرے خیال میں انتہائی طاقتور عامل سابقہ حکومت کی معاشی حکمت عملیاں تھیں۔ بالخصوص زرعی معیشت سے وابستہ یونٹ قومی تحویل میں لینے کے فیصلہ نے یہ تاثر عام کر دیا تھا کہ نجی ملکیت کی جو قابل ذکر شکل معرض خطر میں ہے۔ چنانچہ متاثرہ حلقے سابق حکومت کے خلاف تحریک میں جوش و خروش سے شامل ہو گئے اور انھوں نے یہ سمجھ کر نظام مصطفیٰ کا نعرہ لگایا کہ اسلام ان کی ذاتی ملکیت کو تقدس کا درجہ دیتا ہے۔ اور اس حکومت کے ہٹنے سے۔ نہ صرف ان کی سابقہ ملیں انہیں واپس مل جائیں گی بلکہ آئندہ بھی ان کے مالی مفادات محفوظ رہیں گے۔ اس طرح متشددانہ فقہی اختلافات فکری جمود معاصر سیاسی و عمرانی شاخ سے بے خبری بعض طبقات کے معاشی و سیاسی مفادات اور مصلحتوں نے مل کر ایک ایسی فضا پیدا کر دی ہے کہ حقیقی اسلام کی طرف پیش قدمی قریب قریب ناممکن ہو گئی ہے زکوٰۃ اور عشر کے احکام نافذ نہ ہو سکنا اس کی ایک واضح مثال ہے۔ اس کی واحد وجہ فقہی اختلافات نہیں تھے بلکہ صاحب مال طبقوں کا یہ اصرار بھی تھا کہ وہ بیک وقت انکم ٹیکس اور زکوٰۃ دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ حد یہ ہے کہ ایک جاگیردار نے عشر کے شرعی جواز ہی کو سرے سے چیلنج کر دیا۔ ادھر اسلام کے سیاسی نظام کے بارے میں طرح طرح کی بحثیں اٹھائی جا رہی ہیں اور اسلام کے نام پر فرسودہ سیاسی تصورات کی حمایت کر کے مطلع مزید گرد آلود کیا جا رہا ہے۔

اسلام کی معاشی ہدایات پر نظر رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ سود کی حرمت کو ان میں سرفہرست اہمیت حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام استحصال کی ہر شکل کا بدترین مخالف ہے اور بغیر محنت کے حاصل ہونے والی

آمدنی کو حرام قرار دیتا ہے جو معاشرہ سود کی حرمت کے حکم کو اس کی تمام وسعتوں کے ساتھ اپنانے کے لیے تیار نہیں، اسے اسلامی کہلانے کا حق نہیں۔ معاشرہ سے معاشی اونچ نیچ ختم کرنے اور معاشرتی عدل کا مقصد حاصل کرنے کے لیے اسلام سود کی حرمت کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ جس نظام سے سود کا سرطان خارج ہو جائے اس میں معاشی و معاشرتی انصاف کے لیے راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ اسلام کے معاشی تصورات کی تکمیل اور معاشرتی مقاصد کے حصول میں سود کی ہر شکل کا خاتمہ ایک بنیادی اور مستقل عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے باوجود جو طبقات محرومی اور احتیاج کی گرفت میں رہ جائیں، ان کے لیے زکوٰۃ کا ادارہ موجود ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہمارا معاشرہ بالخصوص اس کے صاحب ثروت طبقے سود کی حرمت اور زکوٰۃ کی فرضیت کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے آمادہ ہیں؟ یہ درست ہے کہ بعض عملی پیچیدگیوں اور بین الاقوامی عوامل کے باعث سود کو قومی معاشی ڈھانچے سے کلیۃً اور یکسر خارج کرنا فوری طور پر ممکن نہیں لیکن میری یہ قطعی رائے ہے کہ سود کی حرمت کے تقاضوں کی تکمیل میں صرف عملی دشواریاں ہی حائل نہیں اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ یہ معاشرہ اور اس کے وہ طبقات جو سود کی حرمت سے متاثر ہوں گے، اس کے لیے تیار نہیں، گویا اسلام کی حقیقی معاشی تعلیمات اختیار کرنے پر ہم ذہناً آمادہ نہیں۔ اس طرح اپنے اموالِ ظاہرہ و باطنہ پر پوری زکوٰۃ اور عشر دینے کے لیے تیار نہیں مجھے اندیشہ ہے کہ جو حکومت سود کی حرمت اور زکوٰۃ کی فرضیت کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش یا جرأت کرے گی اسے شدید ترین مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

لیکن یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ہم واقعی اس ملک میں ایک اسلامی معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں سود کی حرمت اور زکوٰۃ کی فرضیت کے تقاضے پورے کرنے پڑیں گے۔ یہ بات سیاسی و دینی حلقے اور اصحاب ثروت جس قدر جلدی سمجھ جائیں۔ اسی قدر اچھا ہے۔ اس ملک میں اسلام کا مستقبل بہت حد تک اسی بات پر منحصر ہے۔ اسلام کے نام پر یا اس کے بغیر ان تقاضوں سے گریز کی روش برقرار رہی تو نہ صرف اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں بڑھیں گی بلکہ اس کے خلاف ایک ردعمل بھی پیدا ہوگا، جو کوئی بھی شکل اختیار کر جائے گا۔ ایک اسلامی معاشرہ کے ہر قسم کے استحصال سے پاک ہونے کا شعور جب تک عام نہیں ہوگا۔ اور جب تک ہم سود کی حرمت اور زکوٰۃ کی فرضیت کو حصول مقصد کے ذرائع کے طور پر عملاً اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے اسلام اور اسلامی نظام سے وابستگی کے دعوے کھوکھلے رہیں گے اور ایسا معاشرہ وجود میں نہیں آسکے گا جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کے عدل اجتماعی کے ارفع تصور کا حصول اور معاشرتی انصاف کا قیام بہت حد تک

منحصر ہے۔ سود کی حرمت اور زکوٰۃ کی فرضیت کے عملاً نفاذ پر۔ اس کے بغیر کوئی تدبیر ایک معاشرہ کو پوری طرح اسلامی نہیں بنا سکتی۔

اسی طرح فقہی اختلافات کے بارے میں بھی ایک بے لچک رویہ اختیار کر کے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ مختلف فقہی مذاہب ان کے آئمہ کے اجتہاد کا نتیجہ ہیں۔ اب چونکہ پاکستان میں ایک سے زائد فقہی مذاہب کے پیروکار موجود ہیں اور ہم امور عامہ کے دائرے میں احکام اسلام نافذ بھی کرنا چاہتے ہیں تو اس کا واحد طریقہ یہ نہیں کہ اکثریت کے مسلک کے مطابق قانون سازی کر دی جائے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ پیش آمدہ مسائل پر اصل ماخذوں کی روشنی میں اجتہاد کیا جائے اور تمام فریق اس کو کیوں کریں فقہی مسائل پر اختیار کیے جانے والے متشددانہ رویوں کی موجودگی میں یہ تجویز قابل عمل معلوم نہیں ہوگی لیکن اگر واقعی یہاں ایک اسلامی معاشرہ وجود میں لانا مقصود ہے تو یہ راستہ اختیار کیے بغیر چارہ نہیں۔ سارے علماء اور دینی و سیاسی پیشوا یہ راستہ اختیار کرنے میں ناکام رہے تو یہ کہے بغیر چارہ نہیں ہوگا کہ انہیں اسلام سے زیادہ اپنا فقہی مسلک عزیز ہے اور یہ بھی کہ حقیقتاً یہ معاشرہ اسلام کے لیے تیار نہیں۔

سیاسی دائرہ میں اسلام کے حوالے سے جس قسم کی بحثیں اٹھ رہی ہیں یا اٹھائی جا رہی ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کس قسم کی ژولیدہ فکری کا شکار ہیں۔ سیاسی ڈھانچے کی تفصیلات دینا اسلام کا کام نہیں، روح اسلام اور روح عصر سے آشنا حلقوں کے لیے یہ سمجھنا ہرگز مشکل نہیں کہ جدید سیاسی اداروں میں کون سی چیز حقیقتاً اسلام کے منافی ہے۔ لیکن ہر بات کو اس بناء پر رد کیے رہنا کہ کسی خاص دور میں اس کی یہ شکل موجود نہ تھی۔ اسلام کے مزاج سے بے خبری کی دلیل ہے۔

ریاست کے ڈھانچہ کی انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ میں تقسیم، ان کے حدود کار کا تعین، روک اور توازن کا نظریہ، سربراہ حکومت کا مدتِ معین کے لیے منتخب ہونا، سیاسی جماعتوں کی تشکیل اور ان کا مختلف سماجی و اقتصادی پروگراموں کی تبلیغ اور حمایت کرنا، بالغ رائے دہی اور مقررہ وقفوں کے بعد انتخابات کا انعقاد ایسے تصورات میں جنہیں غیر اسلامی قرار دینا۔ اسلام کی خدمت نہیں۔ اسلام سے صرف اہل پاکستان کا ایک طبقہ ہی آگاہ نہیں باقی دنیا میں بھی مسلمان بستے ہیں۔

دنیا طویل تجربات کے بعد ... اقتصادی، سیاسی اور عمرانی تصورات کے قریب تو آ رہی ہے لیکن ہم اسلامی معاشرہ کے قیام کا بلند آہنگ دعوے کرتے کرتے ان سے دور جا رہے ہیں۔ ہمارے اسلام کے ترجمانوں کو کھلی آنکھوں اور کھلے دل و دماغ سے معاصر دنیا کا مطالعہ کرنا چاہیے اور معاشی و معاشرتی عدل اور سیاسی و جمہوری اقدار سے اپنی بھی وابستگی کا ثبوت دے کر پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے لیے حالات سازگار

بنانے کی فکر کرنی چاہیے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ اسلام کو ایک سیاسی و اقتصادی نظام کے طور پر نافذ کرنے کی کوششوں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ گزشتہ اڑھائی سال کی غیر تسلی بخش پیشرفت پہلے ہی بہت سے سوالات پیدا کر چکی ہے اس سے سبق نہ لیا گیا۔ اور درست رویے اختیار نہ کیے گئے تو مزید مایوسی اور بددلی پیدا ہوگی۔

ترجمان کی ایجنسیاں

- ملک اینڈ سنز نیوز ایجنٹ بک سیلرز، ریلوے روڈ سیالکوٹ۔
- قریشی بک ڈپو شکر گڑھ۔ ضلع سیالکوٹ۔
- محمد سعید صاحب ایجنسی کھجور مارکہ صابن، بازار ناندلیانوالہ ضلع فیصل آباد
- حاجی ملک محمد ابراہیم صاحب دکاندار مین بازار ٹیکسلا، تحصیل وضلع راولپنڈی۔
- مولانا محمد عبداللہ صاحب، خطیب جامع اہلحدیث، صدر، راولپنڈی۔
- حکیم محمد یوسف صاحب زبیدی جامع مسجد اہلحدیث۔ شاہ فیصل شہید روڈ لعل چند باغ میرپور خاص (سندھ)
- منشا بکسٹال بالمقابل ریلوے سٹیشن گوجرانوالہ ٹاؤن۔
- خواجہ نیوز ایجنسی لودھراں، ضلع ملتان۔
- حافظ عبدالحق صاحب معرفت مولوی علی احمد صاحب کریانہ سٹور، تحصیل بازار، بہاولنگر
- مرکز ادب حسین آگاہی، ملتان شہر۔
- محمد ابراہیم صاحب نیوز ایجنٹ، عباس سائیکل ورکس، بلاک نمبر ۱۹، سرگودھا۔
- مولانا محمد اسماعیل صاحب خادم مسجد امین پور بازار، فیصل آباد
- میاں عبدالرحمان حماد صاحب خطیب جامع مسجد اہل حدیث، قبولہ ضلع ساہیوال۔
- محمود بہادر زکریانہ مرچنٹس، چمن بازار، ہارون آباد، ضلع بہاولنگر۔
- محمد الیاس صاحب کمبوہ، کمبوہ ہوٹل، شہدادکوٹ۔ لاڑکانہ (سندھ)
- کاشانۂ ادب، چوک نیلا گنبد۔ لاہور۔